مولانا عبدالقیوم حقانی

شریعت بل اور تین راستے

قرآن و سنت کی روشنی میں خالص شرعی و معتدل لائحہ عمل

بالآخر سینٹ کے محرکین شریعت بل سمیت تمام دینی جماعتوں کے شدید دباؤ اور اصرار پر حکومت نے ان کی طرف سے پیش کردہ آٹھ میں سے چھ ترمیمات فوری طور پر تسلیم کرتے ہوئے قومی اسمبلی سے شریعت بل منظور کرا لیا ہے، مزید دو ترامیم کے بارے میں وعدہ اور ایفاء عہد کی یقین دہانی سمیت دینی قوتوں کے لیے قانونی راہ اختیار کرنے کی بھی گنجائش موجود رہتے ہوئے عوامی، سیاسی اور دینی ردِ عمل، آراء اور بعض ذمہ دار حضرات اور سیاستدانوں کے اخباری بیانات نے قوم کو تشویش میں ڈال دیا ہے۔

علمی و دینی اور شرعی نقطۂ نظر سے موجودہ گھمبیر صورتِ حال میں خالص اعتدال کی راہ، اسلامی تعلیمات سے ماخوذ راستہ اور نفاذِ شریعت کے مقصد کے حصول کے لیے مفید ترین لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ ذیل میں اپنے دینی فریضۂ منصبی کے پیشِ نظر قرآن و سُنّت کی رُوح اور اسلامی تاریخ کے تجربات پر مبنی صحیح طریق کار کے بنیادی اصول کے راہنما خطوط پیشِ خدمت ہیں:۔

اِس وقت ملک کے طول و عرض میں جس قدر بھی اربابِ علم و کمال، صاحبانِ درس و تدریس، مفتیانِ کرام، مشائخ عظام، فقہاءِ اُمت، صلحاءِ قوم، دینی و مذہبی راہنما اور اسلامی قیادت کے زعماء (جو دینی فہم و ادراک اور ایمان کی دولت سے معمور اور دینی غیرت و حمیت اور ملک میں اسلامی انقلاب اور نفاذِ شریعت کے جذبہ سے مالامال ہیں جنہیں کسی ذاتی مفاد، بیرونی قوتوں سے وابستگی، سیاسی شہرت اور فکری کجی سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ و مامون رکھا ہوا ہے) کیلئے موجودہ صورتحال کے سامنے جو اس وقت مملکتِ پاک کے تمام قلمرو پر سایہ فگن ہے، تین راستے ہو سکتے ہیں:۔

(۱) حکومت، نظامِ حکومت اور ملک و سیاست کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لیے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب کر لیا جائے جہاں اطمینان کے ساتھ ذکرِ خدا، مراقبۂ آخرت اور یادِ الٰہی میں مشغولی کی لذتیں حاصل کی جائیں۔ درس و تدریس، بحث و تحقیق، تصنیف و تالیف اور علمی تدقیقات سے ذہنی اور فکری عیاشی کے اسباب مہیا کیے جائیں، تصوف و طریقت کے حلقے قائم کر کے طالبین کی تربیت، ذکر و عبادت کی یکسوئی اور خلوت میں عشق و محبت کی کیفیات کو مزید

آنچ دے کر جذبۂ دل اور جوشِ محبت کی سرگرمیاں میسر کر دی جائیں یا محض وعظ و تبلیغ، امامت و خطابت پر اکتفا
کر کے امن و سکون سے گذر اوقات کیا جا رہا ہے۔

یہ وہ طرزِ عمل ہے جو اس عہد کے بیسیوں ہی نہیں بلکہ سینکڑوں علماء و مشائخ، دانشوروں اور اربابِ علم و
فضل نے اختیار کر رکھا ہے، ملک کے چپہ چپہ پران کی خانقاہیں قائم ہیں، درس و تدریس کے مدارس موجود ہیں،
ذکر و مراقبہ کے حلقے ہیں، بحث و تحقیق کی اکیڈمیاں قائم ہیں، علم و دانش کے ادارے ہیں اور وہ پوری یکسوئی
اور خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ صرف آج کے دور کی بات نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ،
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دور میں بھی ان لوگوں کی کمی نہیں تھی اور
خلقِ خدا کو ان سے بیش بہا روحانی و ایمانی اور علمی و مطالعاتی، تحقیقی اور معاشی و فکری فوائد پہنچ رہے تھے۔

(۲) پاکستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے حکمرانوں (جن میں سے بعض کو صرف مسلمان خاندان میں پیدا
ہونے کا شرف حاصل ہے، بعض رفض و شیعیت زدہ ہیں اور بعض کی شخصی زندگی، ارادے و عزائم اور نعرے اور
وعدے بھی اسلامی رہے، گو وہ نفاذِ شریعت کی عملی مثال قائم کرنے میں اس جرأت کا عملی مظاہرہ نہیں کر سکے جس
کا اسلام متقاضی ہے) کو اسلام کا مخالف اور معاند سمجھ کر انہیں دین دشمن باور کرایا جائے جس کے ثبوت کے لیے
بہت سے آئین و ضوابط اور ذاتی اعمال و اخلاق بھی مل سکتے ہیں، قرائن اور شواہد سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے،
وزراء، مشیر اور کابینہ کے ارکان بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حکمرانوں کی اصلاح و فلاح سے یکسر مایوس
ہو جانا اور ان کے خلاف ایک دینی اور مذہبی محاذ قائم کر لینا اور اسلام کا ان کو مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر
ان کی مستقل مخالفت اور ان کے خلاف صف آرائی، اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی
کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورتحال سے بیزار یار انوں رات خالص اسلامی انقلاب کی توقعات قائم کرنے
والے اور عجلت پسندی کے جذبات رکھنے والے معتقدین، مریدین اور پارٹی کارکنوں کو مجتمع کرنا اور پھر کسی سیاسی
یا فوجی کاروائی کے ذریعہ ملک میں انقلاب لانا اور تختِ سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو بٹھانے
کی کوشش کرنا جو پوری سلطنت، نظامِ حکومت اور طریقِ سیاست کا رُخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی
آجائے ——— الفاظ اور تخیل کے اعتبار سے یہ تجویز و تحریک خوش آئند تو ہے، زندہ باد کہنے والے بھی مل
جاتے ہیں اور اخبارات میں تصویریں بھی لگ جاتی ہیں، جاہ و منصب اور شہرت سے خواہشِ نفس کو بھی چارہ مل جاتا
ہے مگر واقعاتی دنیا میں اس کے مثبت نتائج حاصل نہیں ہوتے، ضیاء الحق مرحوم کے مقابلے میں بے نظیر کے لیے
راستہ ہموار کیا گیا، انقلاب آیا تو نسوانی حکومت قائم ہوئی اور اب بھی انقلاب کا راستہ بے نظیر ہی کا راستہ ہے۔

(۳) اسلام پسند ارکانِ سلطنت یا کمیونسٹ اور لادین سیاست دانوں کے مقابلے میں نسبتاً اچھے اور دیندار مسلمان راہنماؤں اور حکمرانوں سے تعلقات، اتحاد اور نفاذِ شریعت کے منشور پر وحدت اور قربت پیدا کی جائے۔ عہدہ و منصب، ذاتی وقار، ذاتی مفاد، لالچ اور دنیا و دولت سے بے نیازی اختیار کر کے انہیں اہلِ علم سے عقیدت اور علماء کے خلوص اور دلسوزی پر اعتماد دلایا جائے ۔

ان میں دینی جذبہ اور حمیت اُبھار کر اور ان کے دلوں کے خاکستر میں مسلمان ہونے کے ناطے جو ایمانی چنگاریاں دبی ہوئی ہیں اُن کو فروزاں کر کے ان کو نیک مشورے لینے اور سُننے پر آمادہ کرنا، ان کی رگِ اسلامیت کو جنبش میں لانا، ان کو مختلف حیل و تدبیر اور حکمت و تدبر سے اسلام کی حمایت، مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گذشتہ ادوار کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر قسم کے عہدہ و جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ تک سے بھی دُور رہنا، مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا، حکومت و سلطنت کو اہلِ حکومت اور مناصب و مراتب کو اہلِ مناصب و مراتب کے حوالے کرنا، ایسی عالی ظرفی، بلند نظری اور بے لوثی کا اظہار کہ کوئی شدید سے شدید مخالف اور حاسد بھی جاہ طلبی یا حصولِ اقتدار کی تہمت نہ لگا سکے اور کوئی مخالفانہ سازش بھی اس سلسلہ میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

جہاں تک پہلے نمبر کا تعلق ہے وہ حضرات اہلِ علم اور اربابِ دین و دانش اور بہی خواہانِ شریعت کی اُفتادِ طبع ان کی شانِ علم و عزیمت اور اس رفیع منصب سے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اربابِ علم و فضل اور اہلِ دانش کو اللہ تعالیٰ کی اس قدر عطا و عنایت اور بخشش و انتخاب کے پیشِ نظر اس بات کا اذعان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے تبلیغ و ترویج اور نفاذِ شریعت کا کام لینا منظور رہا ہے، وہ محض لازمی و انفرادی عبادات و ترقیات، پیری مریدی محض درس و تدریس اور ذکر و فکر کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ ان پر نبوت کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خواجہ احرارؒ سے یہ مقولہ نقل کر کے "حدیثِ دیگراں" میں "سرِ دلبراں" کہہ دیا ہے کہ:۔

اگر من شیخی کنم ہیچ درعالم مرید نیابد اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند و آں ترویج شریعت و تائیدِ ملت است۔	اگر میں خالی پیری مریدی کرنے پر آجاؤں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملے لیکن خدا نے مجھے کچھ اور ہی کام سپرد کیا ہے اور وہ ترویج شریعت اور تائید ملت ہے۔

پھر اس جملہ کی مزید توضیح اور تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

لاجرم بصحبت سلاطین مے رفتند و بتصرفِ خود ایشاں را منقاد مے ساختند و بتوسلِ ایشاں ترویج شریعت مے فرمودند۔	آپ بادشاہوں کی مجالس میں تشریف لے جاتے تھے اور اپنی باطنی قوت اور روحانی تاثیر سے اُن کو اپنا مطیع و منقاد بنالیتے تھے پھر ان کے ذریعے شریعت کو رواج دیتے تھے۔

لہٰذا اہل علم کا یہ فرض ہے کہ وہ قومی اداروں اور ملکی سیاست میں موثر کردار ادا کریں، جمہوری اداروں میں بائیکاٹ اور انکار کے بجائے اسلام دشمن عناصر کے اعتراضات اور اسلام کے خلاف خرافات اور بے دینوں کی یلغار کا دندان شکن جواب دیں اور کسی بھی جعلی، نام نہاد یا سرکاری اور غیر اسلامی شریعت کے مقابلہ میں دلیل اور ٹھوس ثبوت کے ساتھ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی شریعت کا قانونی خاکہ پیش کریں۔

جہاں تک نمبر ۲ کا تعلق ہے یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی یا قائد یا کسی پارٹی لیڈر کا طرز عمل ہو سکتا ہے جو اپنا کام شک و بدگمانی سے شروع کرتا ہے اور اپنی عجلت پسندی، حکمت دعوت اور جذبۂ خیر خواہی و نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دینے کے نتیجہ میں حکومت و اقتدار کو اپنا حریف اور مدمقابل بنا لیتا ہے اور دین کے غلبہ کے امکانات اور میدان کو اور زیادہ تنگ کر لیتا ہے۔ حالانکہ ایک داعی الی اللہ، ایک عالم دین، ایک مذہبی راہنما اور واقعۃً کسی بھی خالص دینی جماعت کے پیشوا کا طریق کار یہ نہیں ہوتا جس کا مقصد اپنی ذات یا جماعت کے لیے حصول اقتدار، حصول جاہ اور تسکین انا نہیں صرف دین کا غلبہ اور احکام شریعت کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

اس سلسلہ میں جہاں تک عملی اقدام یا تحریک اور نئے سیاسی انقلاب کا تعلق ہے تو وہ سخت خطرات سے بھرا ہوا ہے، پاکستان کے اس وقت کے سیاسی نقشہ اور ماحول میں ایک طرح سے نفاذ شریعت اور اسلام کے بارے میں خودکشی کا اقدام ہوگا۔ اس طرح کی خالص معاندانہ تحریکوں، مفاد پرستانہ محاذ آرائیوں اور بے دین سیاسی ہتھکنڈوں یا کسی بھی قسم کے ایجی ٹیشنوں جو عموماً کسی اصلاح اور زیادہ تر دینی اور مذہبی عنوان سے کیے جاتے ہیں سلطنتوں، اصحاب اقتدار اور ارباب حکومت کی مختلف بدگمانیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں، اور ایسے طرز عمل سے خاص کر دینداروں کی ایسی بے سود حرکتوں سے وہ دین کو اپنا حریف اور رقیب سمجھ کر اس کے استیصال اور اس کے ہمنواؤں اور پیرووں کی تلاش و جستجو کر کے ان کا قلع قمع کرنے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ماضی کے ادوار میں اس کے لیے استشہاد کے متعدد مواقع اور بعض نازک ترین مرحلوں کو تخیل میں لایا جا سکتا ہے۔

ماضی کے تجربات اور حال کے مثبت اور مفید اور نافع حالات کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے تو ارباب حل و عقد اور دینی قیادت کے لیے واضح لائحہ عمل کی تشکیل میں کوئی خلش باقی نہیں رہتی کہ حالات میں انقلاب لانے کے لیے پر خطر اور مشتبہ راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ردعمل میں انکار اور مزاحمت جس قدر سخت ہوگی قرآن کریم کو ریگستانیوں کا قانون قرار دینے والوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔ آخر جس راہ پر شیعہ خوش ہو، مرزائی اس پر چلیں، منکرین حدیث اسے اختیار کریں، پی پی پی اسے اپنا ہدف بنالے وہ راستہ اسلامی انقلاب کی خواہاں قوتوں کو کیسے راس آسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں ہماری صاف، بے غبار اور مبنی برحقیقت رائے یہ ہے کہ "شریعت بل" کو منزل نہیں، نشانِ منزل سمجھنا چاہیئے۔ گو اس سے سفرِ شوق پورا نہیں ہوا مگر راستہ کا تعین تو ہو گیا اب شریعت کے مکمل نفاذ کے لیے معاشرے میں مستقل تحریک برپا کرنے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ حکومت کی مشینری سمیت اربابِ حکومت پر اس کی تنفیذ کیلئے بھرپور دباؤ ڈالنے اور مؤثر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے حالات میں انتہا پسندی بھی مضر ہے اور عجلت بھی، اعتدال ہر لحاظ سے مفید اور نافع ہے۔

اگر خدانخواستہ اس وقت فکر و تدبر اور خالص دینی اور قومی نقطہ نظر سے سوچ سمجھ کر مثبت اقدامات نہ کیے گئے تو کامیابی اُن منفی عزائم اور جذبات کی ہوگی جن کا اظہار "شریعت بل" کی مخالفت میں ایک مخصوص طبقۂ فکر کی طرف سے اسمبلی کے اندر اور باہر برملا ہو رہا ہے، سابق وزیر داخلہ نے تو اسمبلی میں یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

"وہ شریعت جو ریگستانی معاشروں کے لیے تھی اور ریگستانی معاشرے بھی ایسے کہ خانہ بدوش اور خانہ بدوشی بھی ایسی کہ جہاں بیٹی اور بہن اور عورت کی وہ عزت نہ تھی جو دجلہ و فرات کے زرعی معاشروں میں تھی وہ شریعت یہاں وادئ سندھ میں نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے"۔

(روزنامہ "جسارت" کراچی ۷ ارمئی)

خدا کا شکر ہے کہ سوائے شیعہ، مرزائی، پ پ پ اور دینی جماعت کے ایک گروپ کے محرکین شریعت بل سمیت ملک کی تمام چھوٹی بڑی قابلِ ذکر مذہبی و دینی جماعتوں نے حکومت میں شرکت، عہدہ و منصب اور وزارت کے قلمدانوں کو سنبھالنے کے لالچ میں آئے بغیر بلکہ بڑی بڑی پیش کشوں کو جوتے کی نوک پر ٹھکراتے ہوئے متفقہ "شریعت بل" کے سوائے دو نکات کے باقی تمام نکات کو منظور کرا لینے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور بقیہ دو نکات کے لیے اگر حکومت نے لیت و لعل اور تاخیر سے کام لیا تو قانونی راہ سے بھی اس منزل کو حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے۔ فللّٰہ الحمد

لہٰذا قومی، سیاسی اور دینی قیادت کا فرض ہے کہ وہ موجودہ نازک ترین حالات میں تخریب کے بجائے تعمیر، نفی کے بجائے اثبات و ایجاب اور ازالہ کے بجائے امالہ کا راستہ اختیار کرے جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور ایک بے ضرر راستہ ہے۔

موجودہ حالات میں نفاذِ شریعت کے خواہشمند، بہی خواہانِ ملت اور دینی زعماء کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے کہ وہ اربابِ حکومت سے مذاکرات اور نصح و خیر خواہی کی بنیاد پر قائم تعلقات، روابط اور اپنی سیاسی قوت سے فائدہ اٹھائیں۔ لاریب اربابِ اقتدار کی اکثریت دیندار نہیں ہوتی مگر ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام کی محبت اور دین کی حمیت سے قطعاً خالی بھی نہیں ہوتے، لہٰذا انہیں سمجھایا جائے اور ان کی صلاحیتوں کو

دین کی خدمت کی طرف موڑا جائے۔

دینی قوتوں کا اتحاد، سیاسی پوزیشن مستحکم، باہمی اعتماد ہو اور حکومت سے محض مخالفت برائے مخالفت کے بجائے اچھائیوں اور حسنات کی تائید، کوتاہیوں اور سیئات پر تنبیہ و انذار کے ساتھ ساتھ خامیوں پر گرفت مضبوط کر کے اصلاح کی کوشش کی جائے۔

تاہم یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اس بل میں بعض معاملات کو غیر اسلامی سمجھتے ہوئے بھی بحالتِ اضطرار عبوری مدت کے لیے جوں کا توں رکھا گیا ہے، ان کو فوری طور پر متبادل نظام سے بدلنا ہوگا ورنہ ان کی موجودگی میں نفاذ شریعت کا عمل ناقص اور بعض حالات میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔

ہماری دلی دعا ہے کہ خدا کرے کہ "شریعت بل" اور عملاً اس کے نفاذ کے سلسلہ میں حکومت اور علماء شریعت کے قدم باہمی اعتماد سے آگے بڑھتے رہیں اور منزل قریب ہوتی رہے۔

اسلام اور عصرِ حاضر

(دوسرا شاندار ایڈیشن)

از قلم: مولانا سمیع الحق مدیر الحق

عصر حاضر کی تمدنی، معاشرتی، معاشی، سائنسی، اخلاقی، آئینی اور تعلیمی مسائل میں اسلام کا موقف موجودہ دور کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا بھرپور تعاقب نئے دور کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا جواب ایڈیٹر الحق کے بے باک قلم سے مغربی تہذیب و تمدن اور عالم اسلام پر اس کے اثرات کا تحلیل و تجزیہ الغرض بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک۔ یہ کتاب آپ کو ایمانی حمیت اور اسلامی غیرت سے سرشار کرے گی اور سینکڑوں مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے آپ کی رہنمائی کرے گی۔ صفحات ۶۴۰، سترہ ابواب، سینکڑوں عنوانات، بہترین کتابت و طباعت، سنہری ڈائی دار جلد، قیمت ۹۰/-

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور پاکستان